لیکن یہ نظام تب آئے گا جب کلرکوں ' ملازمین حکومت ' مزدوروں ' کسانوں ' مردوں ' عورتوں ' علماو مشائخ ' نوجوانوں ' بوڑھوں ' اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد میں اس نظام کی طلب ' تڑپ اور پیاس پیدا ہو جائے گی ۔ ضرورت اسی تڑپ اور شعوری طلب پیدا کرنے کی ہے ۔

اب لیجیے آپ کا سوال

ملازمت خواہ حکومت کی ہو نجی اداروں کی ہو یا اشخاص کی ہو ' دراصل ایک عقد اور معاہدہ ہے جو آجر اور اجیر کے درمیان ہوتا ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے درمیان جو معاملہ ہوا تھا ' قرآن میں اس کو معاہدہ کہا گیا ہے ۔ قال ذالک بینی و بینک "موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ معاہدہ ہے میرے اور تیرے درمیان" ۔ فقہا نے بھی لکھا ہے کہ الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض "اجارہ ایک معاہدہ ہے جو معاوضے پر کسی شخص یا کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا جاتا ہے" ۔ اسلام نے اس معاہدے کے فریقین کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے ۔ آجر کو ہدایت کی گئی ہے کہ خادم اور نوکر تمھارے زرخرید غلام نہیں ہیں بلکہ تمھارے بھائی ہیں ' جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ ' جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو ' اور اگر ڈال ہی دیا ہو تو ان کی مدد کرو ۔ اجیر کو متنبہ کیا گیا ہے کہ مالک کا مال اور اس کا کام تمھارے پاس امانت ہے ۔ جس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا (بخاری و مسلم) ۔ آجر اور اجیر دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں ۔ اس لیے آجر کا اجیر پر کوئی خصوصی احسان نہیں ہے اور دونوں کو باہمی تعاون اور خیر خواہی کے سچے جذبے کے ساتھ کام کرنا چاہیے ۔

جب ملازمت ایک معاہدہ ہے تو منصفانہ اجرت اور کام کی نوعیت طے کرنے میں آجر اور اجیر دونوں کی رضامندی ضروری ہے اور دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جو معاہدے کے وقت طے کی گئی ہیں یا جو عرف عام میں معروف ہیں بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف نہ ہوں ۔ آج کل منصفانہ اجرت طے کرنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہڑتال عرف عام میں ایک مسلمہ اور معروف حق ہے جو معاہدے میں شامل سمجھا جاتا ہے ۔ جس طرح ایام تعطیلات کی تنخواہ اور دوسری مراعات معاہدے میں شامل ہوتی ہیں اور ان ایام میں کام کیے بغیر ملازم تنخواہ کا حق دار ہوتا ہے جیسا کہ معروف ہے اور فقہا نے بھی تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے ۔ (مجموعہ شامی ' ج ۳ ' ص ۳۸۰) ۔

اسی طرح اپنے جائز مطالبات اور منصفانہ اجرت کے حصول کے لیے احتجاج کرنا اور ہڑتال کرنا جائز ہے اور احتجاج و ہڑتال کے ایام کی تنخواہ لینا بھی جائز ہے ۔ اس لیے کہ یہ بھی عرف عام میں معروف ہے اور معاہدے میں شامل ہے ۔ البتہ ایسی ہڑتال کرنا جس کے نتیجے میں بدامنی ' انتشار ' تشدد

دہشت گردی پھیلتی ہو اور فساد فی الارض رونما ہوتا ہو یا اس کے ذریعے اپنے مطالبات دباؤ کے ذریعے منوانا مقصود ہوں جو قومی آمدن کے اعتبار سے منصفانہ نہ ہوں اور اپنے مطالبات کرنا اور ان کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرنا معاہدے کی شرائط میں شامل بھی نہ ہو تو اس کی اجازت شریعت نہیں دیتی اور یہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔ یہ تو ہوئی سرکاری یا نجی اداروں کے ملازمین کی ہڑتال کی بات۔ باقی رہی ملک کے عام تاجروں، ٹرانسپورٹروں اور زندگی کی دوسری سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہڑتال، احتجاج اور مظاہرے تو اخلاق و قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے پرامن طور پر ان چیزوں کے ذریعے جائز مطالبات منوانے اور عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی کوشش کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دور حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اسلام میں ان کی ممانعت کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حکومت کا احتساب کرنا، اس کو عدل و انصاف پر قائم رکھنے یا اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو اس کو ہٹانے اور بدلنے کے لیے پرامن مظاہروں، ہڑتالوں اور رائے عامہ کا دباؤ ڈالنا عہد حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اگر مسلح بغاوت نہ ہو، تشدد و دہشت سے کام نہ لیا جائے، مطالبات و مقاصد جائز ہوں اور حکومت فاسق و ظالم ہو تو شریعت میں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک جدید انداز ہے جسے اختیار کرنا چاہیے۔ (گوہر رحمان)

وراثت کا ایک مسئلہ

ہم چار بھائیوں کی ایک بہن تھی جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے اور بہن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آیا جب ان کے خاوند بیمار ہو گئے (ان کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے) تو انھوں نے اپنی اولاد کو محروم کرتے ہوئے اپنی ساری جائداد اپنی زندگی میں اپنی بیوی یعنی ہماری بہن کے نام کر دی۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وہ تو صحت یاب ہو گئے لیکن ہماری بہن انتقال کر گئیں۔ وہ اپنے حقیقی وارثوں کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ہماری ہمشیرہ کے انتقال کے بعد موجودہ پاکستانی قانون وراثت کے تحت آدھی زمین ہم چار بھائیوں کے نام آجاتی ہے اور آدھی زمین ان کے شوہر کے نام منتقل ہو جاتی ہے اور ہم نے اس زمین کا قبضہ وغیرہ بھی لے لیا ہے اور اب وہ آدھی زمین ہمارے تصرف میں ہے۔ اب میرے تین سوال ہیں:

۱۔ میں حقیقی اسلامی روح کے مطابق اس زمین کا حقدار ہوں یا نہیں جو ہم چار بھائیوں یا میرے حصے میں آئی ہے؟

۲۔ جو زمین میرے حصے میں آئی ہے اگر میں اس کا اسلامی روح کے مطابق حقدار نہیں ہوں تو کیا مجھے وہ زمین اس کے حقیقی وارثوں کو واپس کر دینی چاہیے؟

۳۔ اگر میں اس زمین کا حقدار نہیں ہوں تو کیا اسلامی قانون وراثت مجھے یہ اجازت دیتا ہے کہ میں وہ زمین حقیقی وارثوں کے حوالے نہ کروں بلکہ وہ زمین، یا اسے فروخت کر کے اس سے حاصل کی ہوئی رقم

کو اس شخص کے نام پر جس کی زمین تھی کسی صدقہ جاریہ میں لگا دوں؟

اصل جواب سے پہلے آپ چار اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے' اس لیے کہ جواب انھی چار اصولوں پر مبنی ہے۔

اصل اول: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص مرض موت کی حالت میں کسی وارث کو ہبہ کے طور پر کوئی چیز ملکاً دے' یا اس کے لیے وصیت کرے' تو اس ہبہ اور وصیت کے معتبر اور نافذ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دوسرے وارث اجازت دے دیں اور راضی ہو جائیں۔ ورنہ یہ ہبہ اور وصیت بے اثر ثابت ہوں گے۔ لیکن جس مرض سے مریض صحت یاب ہو جائے وہ مرض موت شمار نہیں ہو گا اور اس میں کیے گئے تصرفات بیع' ہبہ یا وصیت کا حکم وہی ہو گا جو صحت کی حالت میں دیے گئے ہبہ یا کی گئی وصیت کا ہے (ہدایہ باب العتق فی مرض الموت)

اصل دوم: حالت مرض میں ایسا عمل کرنا یا ایسی وصیت کرنا جس سے شرعی وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو' سخت گناہ ہے' خواہ وہ وارث اس مورث کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوں یا برا سلوک کرتے ہوں۔ اللہ و رسول کے مقرر کردہ وارثوں کو محروم کرنے یا ان کو نقصان و ضرر پہنچانے کے لیے کوئی عمل یا وصیت کرنا عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے قابل مذمت ہے۔ اس لیے کہ وارثوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مال چھوڑ کر جانا صدقہ اور خیرات کا حکم رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصل سوم: حالت صحت میں اپنی کل جائداد یا اس کا کچھ حصہ اپنے شرعی وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو ہبہ کرنا اور اس کے نام منتقل کرنا سخت ناپسندیدہ اور فعل مکروہ تو بالاتفاق ہے' اور آخرت میں مواخذے کا بھی شدید خطرہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے عقل و ہوش اور صحت کی حالت میں یا اس مرض کی حالت میں جس سے وہ صحت یاب ہو گیا ہو' کسی ایک وارث کو یہ ہبہ اور عطیہ دے دیا ہو تو شرعاً یہ معتبر ہے یا نہیں' اس بارے میں ائمہ اہل سنت کا دلائل و روایات کی بنا پر اختلاف رہا ہے۔ مگر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود یہ ہبہ نافذ ہو جائے گا اور موہوب لہ نے اگر ہبہ کردہ چیز پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ مالک بن جائے گا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے (حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح بخاری کتاب الہبہ باب الہبہ للولد ص ۱۴۱ تا ۱۴۳)۔

اصل چہارم: جب تک ہبہ کردہ چیز پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل نہ ہو جائے' اس وقت تک صرف زبانی یا تحریری طور پر ہبہ کرنے سے ہبہ مکمل نہیں ہو سکتا اور جس کے نام ہبہ کیا گیا ہو اس کی ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ قبضے سے مراد صرف سرکاری کاغذات میں انتقال ملکیت کا اندراج نہیں ہے بلکہ عملاً تصرف کرنا مراد ہے' خود تصرف کرے یا وکیل کے ذریعے کرے۔

ان اصول اربعہ کی بنا پر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔ اگر آپ کی ہمشیرہ نے اپنے شوہر کی ہبہ